خدا ایسا زمانہ جس میں کوئی تبدیلی نہیں۔ اللہ کے لفظ سے صفات پھوٹتی اور اسی کی طرف واپس لوٹتی ہیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 / مارچ 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۳﴾ (الشوریٰ: 12 تا 13)

پھر فرمایا:

وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے اپنے نفوس میں سے تمہارے لئے جوڑے بنائے اور جانوروں میں سے بھی یعنی انعام میں سے، مویشیوں میں سے بھی جوڑے بنائے۔ تمہیں وہ زمین سے اُگاتا ہے یعنی لفظی ترجمہ ہے بیج ڈال کر جس کو اگایا جاتا ہے اس کے لئے لفظ ''ذرع'' استعمال ہوتا ہے تو وہ زمین میں تمہیں اگاتا ہے یعنی پرورش فرماتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اس جیسا اور کوئی نہیں ہے۔ ان تمام صفات میں کچھ ملتی جلتی باتیں تمہیں دکھائی دیں گی مگر درحقیقت مخلوق کی صفات سے خدا کی صفات کاملہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے مقاصد کا کچھ شعور حاصل ہو جاتا ہے۔ جتنا وہ چاہے، مگر ذات کا فہم ناممکن ہے کیونکہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اس جیسا کوئی اور

نہیں وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ اور سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے اور بہت سننے والا اور بہت دیکھنے والا ہے۔

اس سے پہلے یہ بیان فرما کر یہ بھی ظاہر فرما دیا کہ تمہاری سماعت کی طاقتیں اور طرح کی ہیں اللہ تعالیٰ کی سماعت کی طاقتیں اور طرح کی ہیں یہ جو تم دیکھنا کہتے ہو وہ اور چیز ہے۔ جسے خدا دیکھنا کہتا ہے وہ اور مضمون ہے کیونکہ اس جیسا کوئی نہیں۔ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں یعنی کوئی مسئلہ بھی حل نہیں ہوسکتا، کوئی عقدہ کھل نہیں سکتا جب تک کہ خدا کوئی کنجی نہ تھمائے۔ اس کے بغیر خدا کا تصور کامل ہونا تو بہت دور کی بات یعنی ناممکن ہے، اس کی مخلوق کا تصور بھی درست نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ان کو سمجھنے اور حل کرنے کی کنجیاں عطا نہ کرے۔ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ جس کے لئے چاہتا ہے اپنا رزق بسیط فرما دیتا ہے اس کو پھیلا دیتا ہے، کھول دیتا ہے۔ وَيَقْدِرُ اور تنگ بھی کرتا ہے اور اندازے بھی مقرر فرماتا ہے۔ بے حساب بھی دیتا ہے اور ناپ تول کر بھی دیتا ہے۔ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ یقیناً وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

عید سے پہلے خطبے میں اور عید کے خطبے میں یہ مضمون شروع ہو چکا تھا اگر چہ پہلے خطبے میں لیلۃ القدر کی بات تھی مگر درحقیقت اس مضمون کا آغاز وہاں سے شروع ہو چکا تھا اور عید کے خطبے میں میں نے کھول کر بیان کیا تھا کہ نسبتاً اور پھر گزشتہ خطبے میں اسی مضمون کو سمجھانے کے لئے فلسفی جس راستے سے خدا تک پہنچنے یا خدا کے نہ ہونے کا نتیجہ پیدا کرنے کے لئے کوششیں کرتے رہے ہیں ان سے متعلق میں نے مختصراً ذکر کیا تھا۔ اس وقت مجھے خود محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جو سامنے بیٹھے ہیں ان میں سے کم ہی ہیں جو اس مضمون میں میرا ساتھ دے رہے ہیں اور جو دور بیٹھے ہوئے مختلف علوم کے درجوں پر ہیں ان کے متعلق مجھے کافی رحم آ رہا تھا کہ یہ بے چارے کس مصیبت میں پھنس گئے لیکن میری بھی ایک مجبوری تھی اور ہے۔ یہ مضمون ایسا ہے کہ اس راستے سے گزرے بغیر ان آیات کی تشریح نہیں ہوسکتی تھی جو میں نے آغاز میں تلاوت کی تھیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام: 104) میں نے بتایا تھا کہ انسانی آنکھیں کیسی ہی روشن کیوں نہ ہوں، انسانی نظر کیسی ہی تیز کیوں نہ ہو، خود اپنی کوشش سے

خدا کی ذات کا ادراک نہیں کر سکتیں اور اس ضمن میں انسانی کوششوں کی کچھ مثالیں دینا لازم تھا اور ان میں سے بھی میں نے وہ مثالیں چنیں جو دنیا کے چوٹی کے فلسفے، جن کے ناموں کا تمام دنیا میں شہرہ ہے اور کوئی دنیا کا حصہ نہیں جہاں ان کا نام نہ پہنچا ہو اور زمانے گزر گئے مگر ان کی عقل و دانش اور منطقی جو صلاحیتیں تھیں ان کو کسی نے ناقص نہیں دیکھا، ناقص نہیں پایا، بلکہ آج بھی، آج کل کے فلسفے بھی ان کی اتباع کرتے ہیں اور بہت سے موجودہ دور کے فلسفے انہیں کے فلسفوں کی بنیاد پر قائم ہوئے ہیں۔ اشتراکیت کا فلسفہ بڑی وضاحت کے ساتھ ارسطو کے مضامین میں ملتا ہے اور افلاطون اور ارسطو دونوں ہی دراصل ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔ افلاطون جن باتوں کا آغاز کرتا ہے ارسطو ان کو آگے بڑھا دیتا ہے اور پھر زیادہ گہری چمک پیدا کرتا ہے۔ زیادہ واضح استدلال کے ساتھ ان کے اندر فرق پیدا کرتا ہے۔ یہ باتیں ان کی طرف منسوب کر کے خدا تعالیٰ کے تعلق میں مجھے لازماً کہنا تھیں ورنہ آپ کو نہ سمجھ آتی کہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کا مطلب کیا ہے؟ پس اتنی بات تو آپ کو سمجھ آ گئی اور یہی کافی ہے۔ ارسطو اور افلاطون اور اس جیسوں کے فلسفے سمجھ آئیں یا نہ آئیں آپ نے کچھ نہیں کھویا، اگر یہ بات جان جائیں کہ جو کچھ انہوں نے پانے کی کوشش کی، اپنی ذات کی کوشش سے وہ ایسی نہیں کہ اسے نہ سمجھ کر آپ نے کچھ کھو دیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی بھی غور ممکن نہیں جب تک خدا اس کی خود مدد نہ فرمائے اور اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی ذات کی فہم انسان کو عطا ہو سکتی ہے جس حد تک اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور اجازت دے اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔

پس اب جب آپ سوچیں کہ اس خطبے میں میں کیا باتیں کہہ رہا تھا۔ جس خدا کے تصور تک ارسطو پہنچا ہے بالآخر وہ ایک فلسفہ ہی ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ایک منطقی تصور ہے جس کے ساتھ کوئی ذاتی تعلق قائم نہیں ہوتا، کوئی تخلیقی تعلق قائم نہیں ہوتا، کوئی شکر کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا، انسان اس کے سامنے جھکتا نہیں ہے اور وہ تصور وہیں ٹھہر جاتا ہے آگے مسائل کو حل نہیں کرتا۔ گویا ایک مسئلہ ہے جسے حل کیا گیا ہے۔ مگر قرآن جس خدا کا ذکر کرتا ہے وہ تمام مسائل کا حل کرنے والا ہے۔ وہ ایسی خوبیوں کا مالک ہے کہ اس سے بے اختیار محبت ہونا ایک طبعی امر ہے اور تمام فیض اسی کا جاری ہے اور اس سے تعلق کے نتیجے میں اس فیض کو بڑھایا جا سکتا ہے۔

پس وہ خدا جس کو قرآن نے ظاہر کیا ہے یعنی اللہ نے اپنے وجود کا قرآن میں تعارف فرمایا

وہ اور چیز ہے اور فلسفیوں کا حاصل کردہ خدا ایک اور چیز ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو لوگ خدا تک پہنچے کسی حد تک بھی گرتے پڑتے لیکن ایک کوشش تھی۔ ویسی ہی بات ہے جیسے حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا وہ خوش قسمت ہے جو گر پڑ کے اس مجلس میں جا پہنچے۔

کبھی پاؤں پہ سر رکھا کبھی دامن سے جا لپٹے
پہنچے تو ہیں مگر یہ توفیق نہیں ملی کہ
کبھی پاؤں پہ سر رکھا، کبھی دامن سے جا لپٹے

یہ اہل اللہ ہی کو توفیق ملتی ہے۔ ان کو ملتی ہے جو قرآن سے خدا کا تصور حاصل کرتے ہیں اور قرآن کے ساتھ اس تصور میں آگے فلسفے اور منطق کی باریکیاں آئیں نہ آئیں مقصد حاصل ہو گیا۔

اب جب میں خدا کا تعارف کرواؤں گا جو اللہ نے خود قرآن میں فرمایا ہے، جس کا ذکر احادیث میں ملتا ہے، جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے خداداد گہرے عرفان سے لے کر ہمارے لئے نسبتاً آسان زبان میں فرمایا۔ نسبتاً آسان زبان اس لئے کہ وہ زبان بھی بہتوں کے لئے مشکل ہے لیکن براہ راست اگر سمجھیں گے تو بہت مشکل معاملات تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان میں وہ نسبتاً آسان ہو گئے، اتنے آسان ہو گئے کہ غور کریں اور بار بار مطالعہ کریں تو وہ سمجھ آسکتے ہیں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریرات کو بار بار پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک تو یہ تھا میرا تاثر اور اس کی میں نے وجہ بتائی ہے کہ وہ مجبوری تھی اس کے بغیر چارہ نہیں تھا اور ایک فائدہ تو بہر حال حاصل ہوا ہے۔ میں نے یہاں جب پتا کروایا کہ لوگوں سے پوچھو تو سہی کہ کیا حال ہوا تو عورتوں کی طرف سے تو یہی رپورٹ ملی کہ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے یہ کہا کہ جی سب اوپر سے گزرا ہے اور مردوں کی طرف سے مختلف آراء تھیں۔ ایک نے کہا کہ ہم خوب سمجھ گئے تو بعض نے کہا کہ کچھ سمجھ آئی بڑا زور لگانا پڑا۔ بعض نے کہا کہ بس تبرکاً بیٹھے رہے ہیں بس اس سے زیادہ کچھ حاصل نہیں ہوا۔ مگر باہر سے جو خطوط آئے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ دور بیٹھے کوئی افریقہ کے ملک میں، کوئی جاپان میں، کوئی کسی اور جگہ ان مضامین کو بڑے غور سے سن کر سمجھ بھی چکا ہے، بہت حد تک اور ان کے تبصروں سے پتا چلتا ہے کہ مسلسل وہ مضمون میں ساتھ دیتے رہے اور اس مضمون سے اور بھی باتیں پھوٹیں۔

چنانچہ ایک خاتون کا خط آیا ہے جس میں اس نے کہا کہ آپ جو بات بیان کر رہے ہیں کیا یہ جائز ہوگا میرے لئے کہ اس کے طبعی نتیجے کے طور پر یہ بھی نتیجہ نکالوں۔ بہت باریک نتیجہ تھا اور بعینہٖ وہی نتیجہ آخر میں نے آپ کے سامنے پیش کرنا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی جلا عطا کی ہے وہ سمجھ گئیں اور وہ نتیجہ نکالا۔ کچھ اس میں کمزوری تھی وہ بہر حال درست کر دی جائے گی مگر یہ پہنچ بھی بڑی چیز ہے۔ ایک ہمارے فلسطین کے مبلغ ہیں انہوں نے ایسی چیز کی طرف توجہ دلائی جو میں نے بیان کرنی ہی تھی اور جب میں وہ پیش کر رہا تھا تو اسی وقت مجھے احساس تھا کہ یہ سوال پیدا ہوگا اور ہونا چاہئے اور اس کا حل پیش کرنا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ یہ سنتے ہوئے بہت سے مسائل حل ہوئے لیکن ایک سوال اٹھ کھڑا ہوا ہے اس کا بھی جواب دیں تو میں وہیں سے آج بات شروع کرتا ہوں۔

انہوں نے لکھا ہے کہ آپ نے جو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی فرمایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ صفات باری تعالیٰ میں زمانہ نہیں پایا جاتا تو مالک کی صفت تو زمانے کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ یعنی قیامت کے دن وہ مالک ہوگا گویا اب مالک نہیں ہے۔ تو اس سوال میں کچھ سچائی اس حد تک تو پائی جاتی ہے کہ زمانے کے ساتھ اس صفت کو باندھا گیا ہے۔ پہلی صفات کو نہیں باندھا گیا۔ اللہ تو اسم ذات ہے۔ اللہ، پھر رب، پھر رحمٰن اور رحیم۔ لیکن کسی کے ساتھ کوئی زمانے کا تعلق قائم نہیں فرمایا۔ جب مالک کہا تو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہہ دیا اور يَوْمِ الدِّيْنِ کی تعریف کیا ہے۔ دیکھیں اس میں کس حد تک زمانہ پایا جاتا ہے اور وہ پہلے معانی سے معارض ہے جو میں نے تعریف کی تھی کہ زمانہ دراصل اسی حد تک خدا کی ذات میں قابل اعتراض ہے جس حد تک اس کی ذات میں تبدیلی پیدا کرنے کا تقاضا کرے اور یہی حقیقی تعریف ہے زمانے کی جو خالق کو مخلوق سے الگ کرتی ہے۔

جس ذات میں تبدیلی ہو رہی ہے اس کا آغاز بھی ہے اس کا انجام بھی ہے ناممکن ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہ ہو۔ جس ذات میں تبدیلی نہیں ہو رہی وہ ذات ہمیشہ کے لئے قائم ہے اس کا کوئی کنارہ پکڑا جا ہی نہیں سکتا۔ عقل کے منافی بات ہے لیکن اس کے سوا زمانے کے جتنے مطالب ہیں اور اچھے ہیں ان کا خدا سے تعلق ہے۔ ایک تعلق یہ ہے کہ مخلوق کے زمانے کے ساتھ ساتھ اللہ اپنی جلوہ گری

فرماتا ہے جو اس کی ذات میں ہمیشہ سے صفات کے طور پر موجود ہے۔لیکن مخلوق کی طلب، ان کے حالات ان کی قدروں کے مطابق، ان کے ظرف کے مطابق، جب وہ جلوے دکھاتا ہے تو اس کی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔گویا مخلوق کی تبدیلیاں خدا تعالیٰ کے تعلق میں مختلف صورتیں اختیار کرتی رہتیں ہے۔کوئی تبدیلی منفی صورت میں جاری ہیں اور وہ تعلق توڑنے کا موجب بنتی چلی جاتی ہے، کوئی تبدیلیاں مثبت سمت میں جاری ہیں اور وہ تعلق بڑھانے کا مطالبہ کرتی ہیں۔تو اللہ دونوں سے برابر جلوہ گری میں اس بات کو پیش نظر رکھتا ہے یعنی بیک وقت وہ گرتے ہوئے لوگوں کے ساتھ اپنا تعلق گراتا چلا جاتا ہے۔یہ بھی اس کا ایک جلوہ ہے اور بیک وقت ،اسی وقت میں جو تعلق بڑھانے کا استحقاق رکھتے ہیں ان سے تعلق بڑھاتا چلا جاتا ہے۔تو زمانہ ان معنوں میں نہیں پایا جاتا جن معنوں میں مخلوق میں پایا جاتا ہے۔بیک وقت ایک انسان یہ نہیں ہوسکتا کہ اوپر ہی چڑھ رہا ہو، نیچے بھی گر رہا ہو۔یہ دو ایسی حالتیں ہیں جو حادث حالتیں کہلاتی ہیں اور ان کا اجتماع انہیں میں ممکن ہے جن میں زمانہ پایا جاتا ہے۔خدا تعالیٰ کی ذات جو زمانوں سے پاک ہے ان معنوں میں تو پاک ہے جو میں نے بیان کی ہے۔مگر زمانے کے بعض معنے مخلوق کے حوالے سے اس میں ملیں گے آج ایک تعلق ہے کل دوسرا تعلق ہے۔پرسوں تیسرا تعلق ہے مگر صفات وہی ہیں اور تعلق کے بدلنے کی وجہ مخلوق کی تبدیلی ہے نہ کہ خالق کی تبدیلی۔تو ایک یہ مضمون ہے جس کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کو زمانے سے کیوں باندھا گیا ہے اور اس کا کیا مطلب ہے۔اول مطلب تو اس کا وہی ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے اور اسی مطلب میں دوسرے مطلب بھی آجاتے ہیں ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ (الانفطار 19، 20) وہ وقت یا وہ دور جبکہ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ کوئی ذات کسی چیز کی بھی کسی جان کے لئے بھی اپنے لئے یا غیر کے لئے مالک نہیں رہے گی وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ۔الامر میں کلہ کا مضمون شامل ہے۔تمام تر فیصلے کی طاقتیں اور ملک کی طاقتیں خدا کی طرف لوٹ جائیں گی اور کسی اور میں نہیں پائی جائیں گی۔اس مضمون میں ایک زمانہ بظاہر پایا جاتا ہے۔مگر اس پر جب آپ مزید گہرا غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ان معنوں میں زمانہ نہیں جو تبدیلی ذات کا مظہر ہو۔

دراصل اس آیت پر غور سے آپ کو سمجھ آئے گی کہ مٰلِكِ اللہ ہی کا ایک دوسرا نام ہے۔اللہ ہی سے تعارف شروع ہوا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور مٰلِكِ پر یہ تعارف کمال کو پہنچا ہے۔جس طرح قرآن کریم جیسے آغاز فرماتا ہے اس مضمون پر انجام فرماتا ہے۔اسی طرح سورۃ فاتحہ کی یہ پہلی تعارفی آیت جس مضمون سے بات کو شروع کرتی ہے۔اس مضمون کو بدرجہ کمال وضاحت کے ساتھ پیش کرنے کے بعد اسی پر اختتام فرماتی ہے۔اللہ کا کیا مطلب ہے اس مضمون کی طرف میں اس کے بعد آؤں گا پھر بات اور بھی زیادہ کھل جائے گی۔لیکن یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف آخرت کا دن، مرنے کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا جبکہ وہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہوگا۔اس دنیا میں مسلسل یہ يَوْمِ الدِّيْنِ بعض انسانوں کے لئے بعض قوموں کے لئے آتا چلا جاتا ہے۔اور کبھی بھی زمانہ يَوْمِ الدِّيْنِ سے خالی نہیں ہے۔ایک انسان جب موت کے کنارے پر پہنچتا ہے تو اس وقت وہ اس کا يَوْمِ الدِّيْنِ آجاتا ہے۔يَوْمِ الدِّيْنِ کا مطلب ہے۔وہ ان صفات سے عاری ہو جاتا ہے، ہو رہا ہے جو صفات اس نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کی تھیں اور اپنی ذاتی بنا بیٹھا تھا۔کلیۃً ان صفات کو اس سے جو واپس لینے کا وقت آرہا ہے یہ اس کا يَوْمِ الدِّيْنِ ہے۔

اور وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ یعنی یہ مضمون کہ امر سارا اللہ ہی کے لئے ہے یہ اس وقت بہت کھل کر ہمارے سامنے آتا ہے۔پھر قوموں کے عروج اور تنزل کی تاریخ کو دیکھیں ان کا يَوْمِ الدِّيْنِ ہماری آنکھوں کے سامنے تاریخ میں لکھا ہوا صاف موجود ہے کہ کس قوم کا يَوْمِ الدِّيْنِ کس وقت آیا اور کس وقت خدا کی پکڑ نے ان کو اپنی تمام طاقتوں سے عاری کر دیا۔وہ نہتی ہو کر پھر اپنی اس ادنیٰ حالت کی طرف لوٹ گئیں جہاں سے اللہ نے ان کو ترقی دی تھی۔تو کوئی امر کسی کے لئے ذاتی امر نہیں ہے، کوئی ملکیت اس کی ذاتی ملکیت نہیں ہے۔پھر جب انسان مرتا ہے تو اپنی جائیداد کا مالک کیسے رہتا ہے۔اس کو یوم الدین تو آ گیا۔اگر ظاہری جائیداد کے معنے لئے جائیں صفات کے علاوہ وہ بھی سب کچھ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا تو ہماری ملکیتیں بھی عارضی ہیں، ہماری صفات بھی عارضی ہیں اور يَوْمِ الدِّيْنِ خدا کا ہر آن ہر لمحہ جاری وساری ہے اور اس کو اگر آنکھیں کھول کر آپ غور سے دیکھیں تو کائنات کے تمام

مظاہر میں یَوْمِ الدِّیْنِ دکھائی دیتا ہے۔ ہر چیز ساتھ ساتھ جزا بھی پا رہی ہے اور سَرِیْعُ الْحِسَابِ (آل عمران:20) کا یہ مطلب ہے۔ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَرِیْعُ الْحِسَابِ اور قیامت کے دن پکڑے جاؤ گے تو سَرِیْعُ الْحِسَابِ کیسے ہوا۔ سَرِیْعُ الْحِسَابِ یہ ہے کہ ساتھ ساتھ وہ جزا کا نظام جاری کرتا چلا جاتا ہے اور وہ جزا ہمیں دکھائی دے یا نہ دے تمہاری تقدیر میں لکھی جا رہی ہے اور فیصلے ہو رہے ہیں تمہاری روح کی ایک منحوس شکل بھی بن رہی ہے جو جہنم کے لائق ہے ایک حسین اور دلکش شکل بھی بن رہی ہے جو جنت کے لائق ہے اس کی تیاریاں ہیں۔ ایک انسان کائنات میں جو قدرت کے مظاہر کو دیکھے، اس کے عمل کو دیکھے تو سارا یَوْمِ الدِّیْنِ ہی ہے اس کے سوا ہے ہی کچھ نہیں۔

اس آیت کے تعلق میں جب ہم دوبارہ چلتے ہیں تو اللہ دراصل تمام صفات حسنہ یا تمام اسماء کا منبع بھی ہے اور مرجع بھی ہے۔ اللہ کے لفظ سے صفات پھوٹتی ہیں اور اللہ ہی کی طرف واپس لوٹتی ہیں۔ پس اللہ کے تعلق میں فرمایا وہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے اور ہم نے دیکھا کہ وہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تو ہے مگر کچھ لوگ بھی رب بنتے ہیں اور ربوبیت میں کچھ نہ کچھ حصہ پاتے ہیں۔ رحمٰن ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ مائیں بھی رحمٰن ہیں اور دوست بھی اور اقارب بھی اور محبت میں مبتلا لوگ بھی رحمان ہو جاتے ہیں۔ وہ اچھا بدلا دینے والا اور بار بار بدلہ دینے والا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مزدوروں سے بھی حسن سلوک کرتے ہیں، بہت احسان کا سلوک کرتے ہیں ان کے حقوق سے بڑھ کر ان کو بدلہ دیتے ہیں تو رحیمیت میں بھی ایک قسم کا حصہ پا گئے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود ان پر زور نہیں ڈالا۔ مالک پر جو زور ڈالا ہے اس کی دو وجوہات ہیں۔ ان چیزوں میں وہ حصہ تو پاتے ہیں مگر تھوڑے خوش نصیب ہیں جو کچھ حصہ پاتے ہیں اور وہ بھی عارضی اور معمولی سا۔ اس کے باوجود مالک سب بنے بیٹھے ہیں اور ملکیت میں کسی غیر کو برداشت نہیں کرتے اور تمنا بھی یہ ہے کہ ہم ہر چیز کے مالک بن جائیں۔ تو مالک کی صفت ان کی ذات میں اتنا جوش دکھاتی ہے کہ ہر دوسری صفت پر غالب ہے اور جو کچھ ان کا ہے بڑے تکبر اور غرور سے کہتے ہیں یہ ہمارا ہے، خواہ بچہ ہو، خواہ تعلق والی کوئی قوتیں ہوں، ان کے لیڈر کہتے ہیں۔ یہ ہماری قوم ہے، یہ ملک ہمارا ہے۔ یہ سب ملکیت کے دعوے ہیں جن پر ساری دنیا میں جنگیں اور لڑائیاں اور ایک دوسرے سے مقابلے جاری ہیں لیکن رحمٰن کا دعویٰ کوئی انسان

شاید ہی کرے کیونکہ اس کے تقاضے بہت ہیں۔ ہر دعوے کے ساتھ ایک فیض کا پھوٹنا لازم ہے۔ وہ سمجھتے ہیں مالک کے ساتھ کوئی فیض کا پھوٹنا یعنی ہماری طرف سے فیض جاری ہونے کا مضمون کوئی تعلق نہیں رکھتا کیونکہ مالک کا یہ مضمون سمجھ آجاتا ہے کہ جو چاہے کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ٹھیک ہے مالک ہے ہم جو چاہیں کریں۔ تو جو چاہیں کرے تو وہ چاہتے ہیں کہ بن جائیں تو وہ بن جاتے ہیں اور جو چاہیں کریں کی خواہش ایسی ہے کہ نہ دنیا کا قانون پھر دیکھتے ہیں نہ خدا کا قانون دیکھتے ہیں دنیا میں مالک بنے بیٹھے ہیں اور جتنے فساد ہیں دنیا میں وہ بالآخر ملکیت سے تعلق رکھتے ہیں وہ جھوٹی ملکیتیں یا ان کا تصور یا ان کی خواہشات جو انسانی فطرت میں ہمیں جلوہ گر دکھائی دیتی ہیں جب بھی وہ عمل دکھاتی ہیں تو دنیا میں فساد پھوٹتا ہے اور اس وقت رحمانیت، ربوبیت اور رحیمیت سے ہمیشہ ان کا تعلق کٹتا ہے۔ تو رحمانیت اور رحیمیت اور ربوبیت سے تو انسان خود ہی تعلق توڑے بیٹھا ہے اور روزمرہ آئے دن ہمیں دکھائی دیتا ہے بڑی بڑی قومیں، امیر قومیں جب ان کو ربوبیت کے مواقع ملتے ہیں غریب قوموں کی ربوبیت نہیں کرتیں۔ کبھی کرتی ہیں کبھی نہیں کرتیں مگر شیوہ نہیں ہے لیکن ملکیت کا ایسا شیوہ ہے کہ کوئی چھوٹا سا جزیرہ بھی ہاتھ آئے تو مجال ہے جو اسے ہاتھ سے جانے دیں۔ اور اس معاملے میں اپنے ہم عصروں اور اپنے رقیبوں اور اپنے ساتھیوں اور اپنے ہم پلہ لوگوں سے بھی لڑائیاں مول لیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہہ کہ فرمایا ہے کہ اس دنیا میں تمہیں یہ دھوکے لگے ہوئے ہیں۔ کہتے ہو کہ رب تو وہ ہے مان جائیں گے، رحمان بھی مانیں گے، رحیم بھی مگر مالک ہم ہیں اور ملکیت میں ہمیں پورا اختیار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تم غور کر کے دیکھو تو دراصل جب بھی نتائج کا وقت آتا ہے خدا ہی مالک ہوتا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور آخرت کے حوالے سے اسی زمانے کے حوالے سے جب مالک فرمایا گیا ہے تو اس کا تعلق ان تمام صفات حسنہ سے بھی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ وہ وقت ہوگا جب رحمانیت کی صفت بھی کامل طور پر خدا کی طرف لوٹ جائے گی۔ وہ وقت ہوگا جب رحیمیت کی صفت بھی کامل طور پر خدا کی طرف لوٹ جائے گی۔ ہر دوسرا تمام صفات سے عاری ہو جاتے۔ وہ جو بعض دائروں میں مالک بنے بیٹھے ہیں وہ کسی دائرے میں بھی مالک نہیں رہیں گے اور یہ مضمون ہے آخری موت کا مضمون جو حقیقی معنے رکھتا ہے۔

سائنس دانوں کو سمجھانے کی خاطر میں بلیک ہول Black Hole کی مثال ان کے سامنے رکھ سکتا ہوں۔ جو Physicist بلیک ہول کا تصور پیش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں، وہ یہ خوب جانتے ہیں کہ دراصل بلیک ہول نام ہے صفات سے عاری ہونے کا اور موت کی حقیقی تعریف یہی ہے کہ صفات سے عاری ہو جائے۔ اگر صفات سے عاری ہو جائے چیز تو وہ عدم ہے۔ پھر وہ وقت کہ خدا کے سوا سب کچھ عدم ہو جائے گا، کسی کی کوئی ذاتی صفت باقی نہیں رہے گی اور اس وقت اگر کسی بندے پر رحم کرتے ہوئے خاص محبت کے نتیجے میں وہ استثنائی سلوک فرمائے گا تو اس حد تک وہ خدا کی صفات کا جلوہ گر رہے گا جس حد تک اللہ نے اس کو امتیاز بخشا ہے، اس سے زیادہ کسی کی کوئی ذاتی صفت باقی نہیں رہے گی یعنی خدا کی دی ہوئی صفت بھی واپس اللہ کی طرف لوٹ جائے گی۔

تو مالک دراصل اللہ ہی کا دوسرا نام ہے ان معنوں میں کہ اللہ سے تعارف کا آغاز فرمایا اور اللہ کا دراصل مطلب ہے الالہ کامل معبود، ایک ہی معبود جس کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہی ہے اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ یہ جو بحث ہے اس میں کچھ میں مزید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حوالے سے اور بعض دوسروں کے حوالے سے آپ کو سمجھاؤں گا۔ سر دست یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ میں مالکیت کا تصور بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ پس اللہ سے ذکر شروع کر کے جب ''رب'' فرمایا تو اس میں بہت سے لوگ رب بنتے ہوئے دکھائی دیئے جو واقعۃً ربوبیت کرتے ہیں۔ بعض امیر قومیں غریب قوموں کی ربوبیت کرتی ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کی ربوبیت کرتی ہیں۔ باپ اپنی بیویوں اور بچوں کی ربوبیت کرتے ہیں۔ دوست عزیز اپنے اقارب کی ربوبیت کرتے ہیں۔ ربوبیت کا نظام تو ساری کائنات میں جاری ہے۔ ایک زمیندار ربوبیت کر رہا ہے جب آپ کے لئے وہ فصلیں اگاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ وہ ہے جو رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے وہ سب جہانوں کا رب ہے درحقیقت وہی رب ہے اور تمہیں وہم ہے کہ تم بھی ربوبیت کی کچھ مثالیں اپنے اندر رکھتے ہو۔ رحمان بھی وہی ہے اور رحیم بھی وہی ہے۔ یہ تمام باتیں کھل کر روز روشن کی طرح اس وقت تمہیں سمجھ آئیں گی جب یَوْمِ الدِّیْنِ آئے گا۔ جب اللہ کے سوا کوئی مالک نہیں رہے گا۔ مالک پہلے بھی نہیں مگر اب میں دوسرے یَوْمِ الدِّیْنِ کی بات کر رہا ہوں۔ روزمرہ کا یَوْمِ الدِّیْنِ ہے وہ اگر تم نہیں دیکھ سکتے، نہیں سمجھ سکتے تو ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ نہ اس کے سوا کوئی رب رہے گا اور ربوبیت کی ادنیٰ سی بھی صفت اس

میں موجود نہیں ہوگی۔ یعنی اس کے لئے جو Event Horizon ہے جبکہ تمام صفات سے چیزیں عاری ہو جاتی ہیں۔ تو جیسے مادی دنیا کا ایک بلیک ہول ہوتا ہے اسی طرح روحانی دنیا کا ایک بلیک ہول آنے والا ہے جس میں تمام مخلوقات ایک غشی کی حالت میں ہوں گی۔ پھر جب خدا اپنے جلوے دکھائے گا تو جو اسرافیل کا صور پھونکنا ہے، دوسرا صور، اس سے مراد یہ ہے کہ از سرِ نو صفات تقسیم ہوں گی اور از سرِ نو جو صفات تقسیم ہوں گی وہ آنکھیں بند کر کے ہر ایک کو اسی طرح واپس نہیں کر دی جائیں گی جیسے اس نے سنبھالی ہوئی تھیں وہ استحقاق پر ہوں گی۔ جس نے حقیقۃً رب سے تعلق رکھا تھا تو اس وقت اس کو ربوبیت کی صفات عطا کی جائیں گی، وہ کن معنوں میں ہیں اس کی تفصیل ہم نہیں جانتے۔

مگر ایک مثال حضرت ابراہیمؑ کی صورت میں ہمیں آنحضرت ﷺ نے سمجھائی ہے جس کا مطلب ہے کہ ربوبیت کی کچھ شکلیں وہاں ضرور جاری ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپؐ نے جو روحانی دنیا کی سیر کی ہے اس میں یہ دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام بہت لمبے قد کے ہیں اور آپؑ کے سپرد ان سب بچوں کی تربیت ہے جو بلوغت کی عمر سے پہلے جبکہ شریعت ان پر نافذ نہیں ہوئی تھی اس سے پہلے پہلے دنیا سے چلے گئے۔ ان کی تربیت کی کیا ضرورت ہے وہ تو معصوم ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ معصوم نہ صرف سزا کا مستحق نہیں ہوتا مگر جزا کا بھی مستحق نہیں ہوتا۔ وہ معصومیت جو ناطاقتی کے نتیجے میں ہے اس معصومیت کی نہ جزا، نہ سزا۔ تو وہ سزا جزا کے دور سے گزرنے کے نتیجے میں جو صلاحیتیں چمکتی ہیں اور جن سے قرب الٰہی گہرائی میں اتر کر نصیب ہونا شروع ہوتا ہے، وہ تعلق معصومیت کی حالت میں نہیں ہوتا یعنی وہ معصومیت جو بلوغت سے پہلے کی معصومیت ہے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ وہ کمی جو رہ گئی تھی ان کے نشو ونما میں، قیامت کے بعد جب فیصلے ہو چکے ہوں گے، ابراہیم علیہ السلام کے سپرد یعنی ابراہیمی طاقتیں جن سے طیور کی آپ نے پرورش فرمائی تھی وہ طاقتیں ہیں ابراہیم علیہ السلام کی جو اس وقت جلوہ گر ہوں گی اور ان بچوں کی روحوں کی تربیت کریں گے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وہاں تربیت کا مضمون ہی کوئی نہیں رہتا تو میں اس کو بتاتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر اور کون سمجھتا ہے۔ باقی کیسے مربی ہوں گے ہم نہیں جانتے مگر یہ میں جانتا ہوں کہ ابراہیمؑ مربی ہیں تو محمد رسول اللہ ﷺ ضرور مربی ہوں گے کیونکہ وہ سب مربیوں سے افضل ہیں سب سے زیادہ ربوبیت

کی صفات آپؐ نے حاصل فرمائی تھیں تو اگر بچوں کی تربیت پر مامور ہیں تو آنحضرت ﷺ اس دور میں اپنی امت کی اور بالغ لوگوں کی جو بالغ ہو کر مرے ہیں ان کی کسی نہ کسی رنگ میں تربیت فرما رہے ہوں گے اور یہ بھی جنت کے مشاغل میں سے کچھ مشاغل ہیں۔

تو مراد یہ ہے کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا ایک جلوہ ہے کلیۃً نہتہ کر دینے کا ہر چیز، جس کو انگریزی میں کہتے ہیں As you were اپنے اصل کی طرف لوٹ جائے گی۔ Square One جہاں سے کام شروع ہوا تھا، اللہ سے تعارف شروع ہوا، مالک پہ وہ تعارف دوبارہ اللہ کی ذات میں جا کر ختم ہوا۔ ویسا ہی نظارہ ہوگا تمام کائنات اپنی صفات سے کلیۃً عاری ہو جائے گی۔ یہ وہ موت ہے جو کامل موت ہے۔ اس موت سے پھر دوبارہ نشوونما ہوگی اور صور پھونکنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بگل بجایا تو مردے جی اٹھیں گے۔

خدا تعالیٰ کی صفات حسنہ کا پھوٹنے سے تعلق ہے فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (الحجر:30)۔ جب میں اپنی روح پھونکوں گا آدم میں تب تم نے اس کو سجدہ کرنا ہے۔ تو وہ بگل کا بجانا اور یہ بگل میں پھونکنا دراصل وہ صفات باری تعالیٰ ہے جو اس دنیا سے تعلق رکھتی ہیں۔ پس اس پہلو سے فرشتوں کے دو پہلو بنتے ہیں ایک وہ جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور ایک وہ جو آخرت کے لئے مقرر ہیں۔ اللہ تعالیٰ چار صفات اپنی بیان فرماتا ہے۔ رب، رحمان، رحیم، مالک۔ اللہ تو ذاتی اسم ہے اور چار صفات سے تعلق رکھنے والے فرشتے اس دنیا میں تمام عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں لیکن قیامت کے بعد جو عرش ہے اس کے متعلق فرمایا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ (الحاقۃ:18)۔ اس دن عرش کو آٹھ نے اٹھایا ہوا ہوگا۔ تو جس طرح ہم سے ایک روح نکلے گی جو اعلیٰ درجے کی روح ہوگی جو اس دنیا سے تعلق رکھنے کے لئے موزوں ہوگی۔ اسی طرح فرشتوں کا ایک اعلیٰ تر جلوہ رونما ہوگا۔ گویا چار کی بجائے آٹھ ہو جائیں گے اور یہ جو دگنا جلوہ یا دوسری نوعیت کا جلوہ ہے یہ صور اسرافیل میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ کی کچھ صفات ہیں جو ہم میں پھونکی گئیں جن سے ہم نے اس دنیا میں زندگی پائی، اس دنیا سے ہم نے نشوونما حاصل کی، روحانی ترقیات کیں۔ وہ سب صفات واپس لوٹیں گی اور پھر بڑھا کر دی جائیں گی اور ہر ایک کو اس کا حصہ رسدی اس کے عمل کے، اس کے استحقاق کے مطابق

خدا تعالیٰ کے جلوے پھر بانٹے جائیں گے، یہ دوسرا صور ہے۔ پہلا صور زندگی بخش، ابتدائی زندگی والا بھی پہلا صور ہے اور موت کے وقت بھی ایک صور ہے جو واپسی کا حکم دے گا۔ پس اصل اسرافیل وہ ہے جو تمام زندگی آغاز سے پیدا کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کے جاری کردہ نظام کا منتظم ہے، اللہ کی طرف سے مقرر فرمایا گیا ہے۔ زندگی پیدا کرنے کی ساری طاقتیں اور صلاحیتیں اور سارا نظام اس کے تابع کام کر رہا ہے اور یہ صور بھی روزانہ پھونکا جا رہا ہے، ہر لمحہ پھونکا جا رہا ہے۔ جہاں موت زندگی میں بدلتی ہے وہاں یہ صور پھونکا جاتا ہے اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔

پھر وہ صور جس کا احادیث میں ذکر ہے، قرآن کریم میں بھی ذکر موجود ہے، ایسا صور جس کے نتیجے میں سب کلیۃً کالعدم ہو جائیں گے۔ الا من یشاء سوائے اس کے جس کو اللہ چاہے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو میں نے درس میں چھیڑا تھا، ابھی اور اس پہ تحقیق باقی ہے۔ میرے نزدیک وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھتے ہوئے دیکھا ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے۔ یعنی بہر حال یہ ابھی بحث طلب بات ہے کیونکہ اس حدیث پر جب تک تحقیق نہ ہو اور تنقیحات نہ قائم ہوں ہم یقینی طور پر ابھی کوئی اعلان نہیں کر سکتے۔ مگر قرآن کے مطالعہ سے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات کے تعارف سے دل یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ ''من'' میں محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی اور مراد ہو۔ اگر استثناء ہے تو اس کا ہونا چاہئے جس کو سب کی شفاعتوں کی اجازت ہے، تمام انبیاء بھی اس سے شفاعت پائیں گے۔

اس ضمن میں ایک یہ بھی بات لوگ کہتے ہیں جی جزوی فضیلت تھی۔ میں اس کا بھی ذکر کر دیتا ہوں۔ ہمارے علماء جو خصوصاً پرانے علماء ہیں ان سے لے کر آج کل کے علماء بھی اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لئے کہتے ہیں یہ جزوی فضیلت ہے اور یہ ایک علماء کا مؤقف ہے اور اس سے انکار نہیں کہ بعض دفعہ نبی پر ایک غیر نبی کو ایک جزوی فضیلت ہوتی ہے۔ لیکن یہ مضمون وہ بھول جاتے ہیں جو نبی اور غیر نبی کے تعلق میں ہے۔ اگر نبیوں پر تعلق باندھیں گے تو پھر جزوی فضیلت کا مضمون یہ ہوگا کہ انبیاء کی جو اصل شان ہے اس شان میں تو کسی کو محمد رسول اللہ ﷺ پر فضیلت نہیں ہو سکتی مگر اس کی ثانوی پہلوؤں میں، جو نسبتاً ادنیٰ پہلو ہیں، ان میں ہو سکتا ہے کسی اور رسول کو محمد رسول اللہ ﷺ پر وہ جزوی فضیلت ہو۔ مگر قیامت کے دن اس واقعہ کو جزوی فضیلت قرار دینا میری سمجھ سے بالا ہے۔ وہ

وقت جب تفریق کا وقت آئے گا، جبکہ اندھیروں اور روشنی کے درمیان فیصلے کئے جائیں گے اور ایسا وقت ہوگا کہ ساری کائنات کی توجہ گویا اس وقت پر مرکوز ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فضیلت دے دی تو جزوی فضیلت کیسے ہوگئی۔ یہ نفس کے بہانے ہیں یا اگر نفس کے بہانے نہیں تو متقی بھی ایسا فیصلہ کر سکتے ہیں مگر ان کو زیادہ غور کا موقع نہیں ملا پھر۔

اس لئے میرا دل تو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ مان نہیں سکتا خواہ آپ اس کو جزوی فضیلت کہیں یا کچھ اور کہیں کہ قیامت کے دن اس استثناء میں جس میں ''من'' کا ذکر قرآن کریم فرماتا ہے کہ سب کلیتہً اپنی صفات سے عاری ہو جائیں گے سوائے اس ایک کے یا چند کے جن کو میں چاہوں، اس میں موسیٰؑ تو ہوں محمدؐ رسول اللہ ہوں۔ لازماً حدیث کے سمجھنے میں کوئی غلطی کی گئی ہے لیکن میں تحقیق کروا رہا ہوں الفاظ میں بھی غلطی ہو سکتی ہے بعض لوگوں کے اپنے جو تصورات ہیں یا سوچیں ہیں وہ بعض دفعہ ان کو بعض لفظوں کو سن کر بھی ان کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتیں۔ اس لئے وہ سمجھتے ہیں بعد میں شاید لفظ کہا گیا ہو۔ جو ہماری مرضی کے مطابق ہے، وہ نہیں کہا گیا ہوگا۔ تو ایسے واقعات حدیث میں ملتے ہیں ایک جگہ نہیں کئی جگہ ملتے ہیں تو انشاء اللہ اس کی تحقیق کی جائے گی مگر اب میں واپس اسی مضمون کی طرف آتا ہوں کہ ملکیت سے کیا مراد ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے کہ وہ تمام صفات جن کو خدا نے مخلوق کو عطا کر رکھا ہوگا ان کی بھی صف لپیٹ دی جائے گی۔ کلیۃً مخلوق ان سے عاری ہو جائے گی سوائے ان کے یا اس کے جن کو اللہ چاہے کہ ان کو ہم نے اس سے عاری نہیں کرنا۔

اور میرے اس مؤقف کی تائید میں کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی ایک قطعی فیصلہ کن تفسیر ہے جو اس مؤقف کی تائید کرتی ہے آپؑ فرماتے ہیں کہ پہلی صفات میں دوسرے نبی ان معنوں میں حصہ دار ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو ان سے حصے عطا کئے۔ بعضوں کو رحمانیت کا مظہر بنایا بعضوں کو ربوبیت کا مظہر بنایا، بعضوں کو رحیمیت کا مظہر بنایا مگر مالک صرف محمد رسول اللہ ﷺ بنائے گئے ہیں۔ مالکیت کا مظہر سوائے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی اور نبی کو نہیں بنایا گیا اور یہ يَوْمِ الدِّيْنِ کا رسول ﷺ ہے۔ تو دونوں باتوں کی تائید ہوگی کہ ایک يَوْمِ الدِّيْنِ تو بعد میں آئے گا ایک يَوْمِ الدِّيْنِ ہے جو ابھی آچکا ہے یعنی آخری قیامت جو دنیا میں رونما ہونی تھی، وہ عظیم انقلاب جس میں ساری دوسری صفات چھین لی جائیں گی اور ایک ملکیت کے نکتے پر اکٹھی

کر دی جائیں گی یہ اس طرح ظاہر ہوا یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر سے میں نے سمجھا کہ تمام دوسرے نبیوں کے فیوض کے چشمے ختم کر دیئے گئے۔ ایک ہی چشمہ جاری رہا۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء:70)

کہ اب وہ بات نہیں کہ ہر چشمے سے جہاں سے تم چاہو فیض اٹھاتے پھرو۔ اب یہ قانون جاری ہوا ہے کہ جو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا۔ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ یہی وہ لوگ ہوں گے جو انعام یافتہ گروہ میں شامل ہوں گے۔ یعنی مِّنَ النَّبِيّٖنَ نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے۔ تو مالکیت کا جلوہ دیکھیں ظاہر ہو چکا ہے۔ کون اس جلوے سے آنکھیں بند کر سکتا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ نے روحانی طور پر یہ علم عطا فرمایا کہ نبیوں میں محمد رسول اللہ ﷺ مالک ہیں اور کوئی نبی مالک نہیں ہے کیونکہ مالک وہ ہو سکتا ہے جو باقی سب کو بے فیض کر کے ساری طاقتیں اپنی ذات میں اکٹھی کر لے اور یہ توفیق اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی ہے اور آپؐ کی ذات میں جلوہ گر ہوئی ہے۔ اس کے بعد آپ بتائیں کہ جزوی فضیلت آپ کیسے کہہ سکتے ہیں اس بات کو۔ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اس وقت خدا تعالیٰ کی مالکیت کے جلوہ کا مظہر نہیں بنیں گے، موسیٰ بن جائے گا۔ اس سے سب کچھ واپس نہیں لیا جائے گا۔ پس وہ جو اس دنیا میں مالک سچ ثابت ہو چکا ہے اس کو قیامت کے دن اس مالکیت سے محروم کرنے کا کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ علماء چاہے بخاری کی حدیثیں پیش کریں یا اور بھی جو کچھ لے کے آنا ہے انہوں نے لائیں۔ قرآن کریم کے اس مضمون سے جو سورۃ فاتحہ سے بھی ثابت ہے، دوسری آیات سے بھی ثابت ہے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فتوے کے بعد جو اللہ سے علم پا کر آپؑ نے مالکیت کا مضمون بیان فرمایا ہے، اس کے بعد ایک لمحے کے لئے بھی میرا دل یہ گوارا کر ہی نہیں سکتا، ناممکن ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو تو میں اس زمانے میں مالکیت کے جلوے کا حصہ دار اور اس میں شامل سمجھوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کو ایسا الگ سمجھوں کہ تمام صفات سے آپؐ کو محروم کر دیا گیا گویا آپؐ مالک نہ رہے۔ تو ضرور اس میں اور باتیں

ہیں اس پہ اور بھی میں نے غور کیا۔ اس حدیث کے اندر، اس کے طرز بیان میں کچھ ایسے رخنے پائے جاتے ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام پوری طرح یہ نہیں ہوسکتا اس کے اندر دلائل موجود ہیں لیکن جب میں وہ مزید اور باتیں کچھ دریافت کروں، غور کرلوں پھر انشاء اللہ آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

تو اب اتنا میں بتاتا ہوں کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے متعلق جو ان کو خیال گزرا ہے، ٹھیک خیال گزرا ہے۔ بظاہر زمانے کے ساتھ تعلق ہے مگر ان دو معنوں میں دراصل اس کا زمانے کے ساتھ تعلق ہونا خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات سے منافی نہیں ہے کیونکہ ایک تعریف جو ہم نے بیان کی یہ مطلب تو نہیں کہ وہ لازماً خدا اس تعریف کا پابند ہی ہو گیا ہے۔ وہ تعریف ایک حد تک خدا کی ذات پر صادق آتی ہے اور اسی حد تک صادق آتی ہے جس حد تک اس کی سبحانیت کو زخمی نہیں کرتی۔ کوئی تعریف خدا تعالیٰ کی ذات پہ صادق نہیں آسکتی جو اس کے سبحان ہونے کے منافی ہو اور جہاں حمد پائی جائے اور تعریف سے مراد ہے Definition جہاں غلطی کوئی نہیں ہے، خدا کی ذات پر کوئی داغ نہیں ڈالنے والی اور حمد کے مضمون کو بیان کرنے والی ہے وہ لازماً درست ہے اسی حد تک اطلاق پائے گی۔ پس زمانہ اگر ان معنوں میں بھی نہ پایا جائے کہ مخلوق کو زمانہ عطا کر دیا اور ان زمانوں سے مستغنی ہو گیا اور ان زمانوں کے مطابق اس کے اقتضاء کو پورا ہی نہیں کر رہا تو یہ زمانہ نہ پایا جانا نہ اس کی ازلیت کی نشانی ہے نہ اس کی ہدایت کی بلکہ نعوذ باللہ من ذالک ایک قسم کی بے رخی اور موت کی دلالت ہے۔

پس جہاں جہاں زمانہ کے تصور میں کوئی ناقص معنی ہیں ان سارے تصورات زمانہ سے اللہ مستثنیٰ ہے اور بالا ہے۔ جہاں زمانہ کا کوئی تصور خدا کی ذات میں پایا جانا اس کی تسبیح کرتا ہے اور اس کی حمد بیان کرتا ہے وہ زمانے کا تصور لازماً اللہ تعالیٰ کی ذات میں پایا جاتا ہے۔ پس یہ بھی اس رؤیا کا حصہ ہے، یہ سوچ جو میں نے عرض کی تھی کہ وہ پھوٹی ہے اس سے اور پھر رؤیا کے ساتھ ختم نہیں ہوئی بلکہ چشمے کی طرح جاری ہو گئی اور بہت سے ایسے مضامین ہیں اور جو اس میں بیان کرنے والے ہیں۔

مجھے گزشتہ خطبے کے بعد جب لوگوں نے یہ بتایا کہ اوپر سے گزر گیا ہے اور وغیرہ وغیرہ تو گھبرا

کر میں نے کہا کہ پھر کیا فائدہ ان بے چاروں کو تنگ کرنے کا۔ جب بات ہی نہیں سمجھیں گے تو بعد میں کسی کتاب کی صورت میں پیش کر دیں گے لیکن ایک شخص نے ایک بہت دلچسپ بات کہی اور اس کا شعر تو وہ نہیں پڑھا مگر مضمون یہی تھا

؎ بہرہ ہوں میں چاہئے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر (دیوان غالب: ۱۱۱)

کہ ٹھیک ہے ہم بہرے ہیں مگر بہروں کو چھوڑ تو نہیں دیا کرتے اونچی بولا کرتے ہیں، بار بار بولا کرتے ہیں۔ تو آپ کچھ اونچی بولیں، کچھ سمجھانے کی کوشش کریں بجائے اس کے کہ دس خطبوں کی بجائے ایک خطبے میں بات ختم کرنے کا فیصلہ کر لیں، ایک خطبے کی بجائے دس خطبوں میں بات کرنے کا فیصلہ کریں۔ تو پھر ہمیں امید ہے کہ ہم انشاء اللہ اس مضمون سے فیض پائیں گے تو وہ بات میرے دل کو لگ گئی اس لئے آج بجائے اس کے کہ میں جلدی جلدی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے پڑھ کر آپ کے سامنے اس مضمون کو ختم کرنے کی کوشش کرتا، اب اللہ کے حوالے ہے جس حد تک اللہ تعالیٰ توفیق بخشے گا وہ چیز، وہ سلسلہ خیالات یا حقائق کی جستجو کا جو سلسلہ تھا جو اس رؤیا سے پھوٹا جس کو میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیر معمولی رہنمائی کرنے والی رؤیا تھی اس میں میں اکیلا شامل نہیں رہوں گا بلکہ انشاء اللہ حسب توفیق آپ کو بھی شامل کرتا رہوں گا۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس مضمون پر غور کرتے ہوئے جو خود پھوٹ رہا تھا جہاں کہیں اٹکا، بعض دفعہ ایک ایک دو دو دن اٹکا رہا اور بات نہیں کھلی تو جب میں نے دعا کی تو فوراً اس کا جواب مل گیا اور پھر وہ بات چل پڑی۔ تو جو باقی سلسلہ ہے وہ بھی دعا کے سہارے جاری ہے اور انشاء اللہ اس کی ضرورت بھی میں محسوس کرتا ہوں۔ یہ وقت ایسا ہے، یہ دور کہ ہمیں لازماً صفات باری تعالیٰ کے مضمون پر گہرے غور کی ضرورت ہے بعض لوگوں نے مجھے لکھا کہ ہم غور شروع کر چکے ہیں۔ جامعہ احمدیہ کے پرنسپل میر محمود احمد صاحب ناصر نے بھی اپنے طلباء سے پوچھا کیوں جی غور شروع ہو گیا۔ اس سے مجھے خیال آیا کہ کس طرح غور کریں گے خود بخود۔ **سبحان اللہ وبحمدہ ربنا اللھم صل علیٰ محمد** یہ ایسی باتیں کہیں گے ضرور مگر اس کو غور نہیں کہتے۔ یہ مضامین گہرے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب تک روشنی نہ دکھائی جائے اور قرآن، حدیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی

عبارتوں کو آپس میں جوڑ کر ان پر اجتماعی غور نہ کیا جائے اس وقت تک صفات باری تعالیٰ پہ غور محض حمد کہنے پر یا قادر کہنے پر یا علیم اور حکیم کہنے پر ہو ہی نہیں سکتا۔

پھر اس غور میں اور بھی مسائل ہیں، خدا کہتا ہے ہم نے جوڑے جوڑے پیدا کیا اور صفات کے بھی اکثر جگہ جوڑے جوڑے ہی بیان فرمائے ہیں۔ علیم حکیم، علیم قدیر، رحمٰن رحیم، تو یہ بھی بڑا وسیع مضمون ہے کہ وہ جوڑے کیا معنے رکھتے ہیں۔ ان میں زمانہ تو نہیں پایا جاتا مگر ان کے ملنے سے دوسری صفات پھوٹتی ہیں جس طرح Chemical Reaction سے دو چیزوں کو ملانے سے ایک اور Synthesis ہوتا ہے ایک اور چیز پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح وہ تو وقت کی محتاج ہے مگر خدا کا یہ جو صفات کا تعلق نئے مضمون کو پیدا کرتا ہے یہ وقت سے بالا ہے۔ یہ فرق ہے کیونکہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اپنی مخلوق سے وہ مشابہ نہیں ہے۔ اس لئے جب ہم مثالیں بیان کرتے ہیں تو صرف سمجھانے کی خاطر ورنہ حقیقت میں اس سے زیادہ آگے یہ بات خدا کے اوپر اطلاق نہیں پاتی۔ پھر خدا تعالیٰ کے اپنے کلام کے حوالے سے اس مضمون کو مزید سوچا جا سکتا ہے تو اب چونکہ وقت ہو گیا ہے انشاء اللہ باقی باتیں پھر، اسم اعظم بھی بتانے والی بات ہے اسم اعظم کس کو کہتے ہیں، کیا معنے رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لفظ مشتق ہے یا جامد ہے۔ یہ چار صفات کیوں چنی خدا تعالیٰ نے اور باقی صفات کو کیوں چھوڑ دیا وغیرہ وغیرہ۔ یہ مضمون کچھ تو میں پہلے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں بیان کر چکا ہوں لیکن کوشش کروں گا کہ ان کے علاوہ کچھ مضامین جن کا اس زمانے والی بات سے تعلق بنتا ہے جس حد تک ممکن ہے وہ بیان کروں اور پھر خواہ میرے نزدیک تعلق بنے یا نہ بنے، صفات باری تعالیٰ کا اسماء کا جو مضمون ہے یہ اور بھی جس طرف ہمیں لے کے جائے گا، کوئی پابندی تو نہیں کہ صرف زمانے کے حوالے سے بات ہو۔ اس رؤیا کا ایک یہ بھی مقصد ہو سکتا ہے کہ اسماء کی بات کرو اور اسماء ہیں جو ہر چیز کا منبع ہیں اور اس سے مزید ترقیات عطا ہوں گی اور ہم ایسے دور میں ہیں کہ آئندہ کا زمانہ ہمارے سپرد کیا جانے والا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مالکیت اب کل عالم پر جلوہ دکھانے والی ہے اور خدا نے ہم عاجزوں اور نکموں کو چن لیا ہے تو وہی طاقت بخشے گا، وہی صلاحیتیں عطا کرے گا لیکن وہ صلاحیتیں اسماء باری تعالیٰ پر غور کے نتیجے میں حاصل ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین